"البِدایۃ والنِھایۃ" میں علامہ ابن کثیرؒ کے اصول سیرت نگاری

محمد وقاص*

ڈاکٹر محمد انیس خان**

Abstract

The last book written according to the point of view on seerat-un-nabvi(saw) is of Allama ibn-e-kathir's seerat-un-nabvi. Allama ibn-e-kathir was a great muhaddis, mufassir and historian of his age. His tafseer "tafseer ibn-e-kathir" has a prominent place in the knowledge of tafseer. Likewise in history he has a fomous book al-bidaya-wl-nihaya in fact he wrote a book as seerah al nabviyyah consisting of four volumes then ge converted and completed in a whole book of history that is known as al-bidaya-wl-nihayh.(the beginning and the end)-When Allama started compiling his book on seerat, he has all Origin of the early age. He collected in his book all those Ahadees and Rivayas that he considered authentic and reliable.

In the last he narrated prophet(saw) habits and manners. He was a great scholar and faqeeh his book has a lot about fiqhiyyat-e-seerat , having a large scope.There are a number of places in his book where he has discovered orders and lesson from various ahadees that is proof of his being expert in tafseer,hadees, fiqah and seerah.

* پی ایچ ڈی اسکالر، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک اینڈ ریلجس اسٹڈیز، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ۔

** اسسٹنٹ پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک اینڈ ریلجس اسٹڈیز، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ۔

سیرت نبوی ﷺ جمع ہو کر مختلف مراحل سے گزرتی رہی۔ ہر مرحلہ میں موضوعِ سیرت میں ایسے جاںنثاروں کی جماعت ظاہر ہوتی رہی جنہوں نے اپنی جانیں اس جستجو میں کھپا دیں۔ پہلی صدی ہجری میں تمام مسلمانوں کا مطمحِ نظر صرف اور صرف سیرت نبویؐ رہی۔ اور اس کی احادیث تابعین نے جمع کرنی شروع کر دی تھیں۔ جن میں سرفہرست عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ (متوفی 94ھ) پھر اس کے بعد امام زہری (متوفی 124ھ) ان کے بعد ابن اسحاق (متوفی 151ھ) آئے اور انہوں نے سیرت کے باب میں ایک تاریخی کارنامہ سرانجام دیا۔ ابن اسحاق کے بعد واقدیؒ جیسے لوگ آئے جنہوں نے مغازی کے باب میں اپنے جھنڈے گاڑھ دیے۔

ابن اسحاق اور واقدی کی سیرت نگاری نے مختلف مراحل میں نئے تجربات کو جنم دیا۔ جس میں نئے موضوعات کو زیر بحث لانا بھی ہے۔ ان نئے موضوعات میں سب سے انوکھا کارنامہ نبوت کے دلائل کو لانا تھا۔ اس میدان کے شہسوار الحافظ المشرقی ابو بکر البیہقیؒ (متوفی 458ھ) تھے۔ جو کہ "دلائل النبوه ومعرفة احوال الشريعة" کے مصنف ہیں۔ یہ کتاب صرف دلائل کے متعلق نہیں جیسا کہ نام سے سمجھ میں آرہا ہے بلکہ مبعث، مغازی اور سیرت کے تمام مضامین کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں امام بیہقیؒ کے ساتھ علمائے کرام کی ایک جماعت منظر عام پر آئی جس نے انفرادی طور پر احادیث کے مختلف اطراف کو اپنا موضوع بنایا۔ جیسے ابو نعیم اصبہانیؒ، امام بغویؒ اور ابن جوزیؒ وغیرہ۔ اسی طرح اندلس میں بھی مختلف تالیفات سامنے آئیں جو مختلف علمائے کرام کی طرف سے پیش کی گئی تھیں۔ ان کتب میں سیرت کو تاریخ کے اعتبار سے یا تاریخ کے کسی خاص حصہ کو اپنا موضوع تصنیف بنایا گیا تھا۔ مثال کے طور پر ابن حزم کی "جوامع السيرة"، ابن عبدالبرؒ کی "الدرر" اور قاضی عیاضؒ کی "الشفاء" وغیرہ۔

پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں ہی مشرقی علمائے کرام جیسے امام بیہقیؒ، امام بغویؒ اور امام ابن جوزیؒ اور مغربی علمائے کرام جیسے قاضی عیاض اور ابن المقریؒ وغیرہ کی تصنیفات منظر عام پر آئیں۔

آٹھویں صدی ہجری میں محققین اور انسائیکلوپیڈیا طرز کے لکھنے والے علماء کرام کی جماعت سامنے آئی۔ جیسے علامہ ذہبیؒ، ابن القیمؒ اور علامہ ابن کثیرؒ وغیرہ۔ ان حضرات نے اپنی علمی استعداد اور قوت کی بنیاد پر اپنے آپ کو سب سے منفرد مقام پر لا کھڑا کیا۔ ان کے حدیث کے والہانہ شغف نے ان کو دوسروں سے ممتاز بنا دیا۔ احادیث کو مختلف زاویوں سے لکھنا، سمجھنا، پرکھنا اور حافظہ کی قوت یہ سب وہ عوامل تھے جنہوں نے ان کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ صرف جمع و تدوین کی بجائے عام مجموعہ روایات کی چھان بین کر کے سیرت کا صحیح مجموعہ تیار کریں۔

ان واقعات کے اندر محقق کی نظر ضرور علامہ ابن کثیرؒ کی اس محنت پر پڑتی ہے جو انہوں نے اپنی کتاب " البدایہ والنہایہ " میں کی۔ ہمیں نظر آتا ہے کہ انہوں نے احادیث کو ان کے اصلی مصادر سے لیا۔ پھر ان کی اسناد کی چھان بین کی اور تمام گذشتہ علماء کی محنت کے بقدر محنت سے کام لیا۔ علامہ ابن کثیر نے مختلف علوم کو اپنی ذات میں جمع کر لیا تھا۔ ان کی بہت ساری کتابیں مشہور ہوئیں۔ جن میں سب سے زیادہ ان کی تفسیر "تفسیر ابن کثیر "اور تاریخ کی کتاب" البدایہ والنہایہ "اب تک مشہور و معروف چلی آرہی ہیں۔ جیسے پہلے بہت سے علماء ان کی زندگی کے بارے میں لکھتے چلے آرہے ہیں اور یہی چیز آج ہمیں ان کے بارے میں لکھنے پر ابھار رہی ہے۔

سیرت نبوی ﷺ ابن کثیرؒ کی ان اساسی فنون میں شمار ہوتی ہے جس کی تعلیم سے نہ کوئی عالم مستغنی ہے نہ کوئی مفتی۔ علامہ ابن کثیرؒ کی نظر میں سیرت نبوی ﷺ بہت سارے علوم و فوائد پر مشتمل ہے۔ کیوں کہ سیرت نبوی ﷺ وہ جوہری مضمون ہے جس میں آپ ﷺ کی دعوت، جہادی زندگی، تعلیم اور ہدایت کے مراحل پر مشتمل ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ ایک عالم، مفتی نصوص اور تشریعی احکامات سے بحث کرتا ہے۔ ان احکامات میں اصل شریعت کا فہم، لوگوں کو سمجھانا اور حالات پر منطبق کرنا ہے۔ لہذا عجب نہیں کہ علامہ ابن کثیرؒ سیرت میں تالیف کرتے۔ لہذا انہوں نے مطول سیرت البدایہ والنہایہ اور مختصر سیرت الفصول فی اختصار سیرۃ الرسول لکھی۔ ان کا سیرت کا اس قدر اہتمام اور روایات کی تنقیح اس لئے تھا کہ وہ جانتے تھے کہ امت کو تاریخ سیرت سے جوڑنے والی چیز صرف سیرت ہی ہے۔ اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ علامہ کی شہرہ آفاق تصنیف "البدایہ والنہایہ "سے حصہ سیرت میں ذکر کردہ ذخیرہ سے سیرت نگاری کو ان اصول کو واضح کیا جائے جو علامہ ابن کثیر نے اپنی تصنیف کو مرتب کرنے میں مد نظر رکھے۔

"البدیۃ والنھایۃ" کے اصول سیرت نگاری

➢ تصحیح روایات / روایات کی صحت وضعف کی نشاندہی:

علامہ ابن کثیر نے اپنی سیرت نگاری میں مختلف مصادر سے روایات کو اخذ کر کے ایک مجموعہ کی صورت میں پیش کرنے کا اصول اپنایا ہے۔ اور یہ اصول ان علماء کا ہوتا ہے جو اپنی تصنیفات میں موضوع الباب کے متعلق تمام ان مرویات کا ذکر کرتے ہیں جس کا تعلق اس موضوع سے ہو۔ علامہ ابن کثیر کی ذکر کردہ روایات کے اصول کو اگر دیکھا جائے تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ مختلف مصادر سے لی گئی ہیں۔ ان میں بعض مصادر تو وہ ہیں جن میں صرف صحیح احادیث کا التزام کیا گیا ہے۔ جیسے صحیحین (یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم) اور بعض مصادر ایسے ہیں کہ جن میں صحیح احادیث کے ساتھ ساتھ ضعیف روایات بھی پائی جاتی ہیں۔ جیسے مسند احمد (جو کہ علامہ ابن کثیر کی

السیرہ النبویہ کا سب سے اہم مصدر رہے۔[1])اور بعض مصادر ایسے بھی ہیں جن میں موضوع اور واہیات قسم کی روایات بھی منقول ہیں۔ جیسے کتب دلائل[2]، کتب ہواتف[3]، کتب الفتن اور کتب الملاحم[4] وغیرہ۔اس کے ساتھ علامہ ابن کثیر بکثرت کتب المغازی والسیر وغیرہ سے بھی استفادہ کرتے ہیں ہیں۔جن میں مرسل، منقطع اور معضل قسم کی روایات بھی پائی جاتی ہیں ہیں۔

علامہ ابن کثیر نے اپنی سیرت میں متقدمین سیرت نگاروں کے اقوال کو بکثرت نقل کیا ہے۔جن کا آپس میں تضاد پایا جاتا ہے۔اسی وجہ سے علامہ ابن کثیر نے سند کے ساتھ ساتھ متن پر بھی ناقدانہ بحث کی ہے۔

جیسا کہ علامہ ابن کثیر نے نقل کیا ہے کہ ابن اسحاق کی رائے ہے کہ حدیبیہ میں صحابہ کی تعداد سات سو تھی ۔[5]یہ قول صحیح روایات کے مخالف ہے اس کی بھی علامہ ابن کثیر نے شرح فرمائی اس طور پر کہ ابن اسحاق نے اونٹوں کی جو تعداد بیان کی ہے کہ وہ ستر تھے اور ہر اونٹ پر دس صحابہ تھے ابن اسحاق نے اس بات کا اعتبار کیا ہے ۔حالانکہ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ضروری نہیں کہ جو حدیبیہ میں شریک ہوا سب نے ہی قربانی کی ہو[6]۔

اسی طرح ابن اسحاق کے اس قول کی تصویب کی جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ہرقل اہل روم کے ہاں بادشاہ کو کہا جاتا ہے۔علامہ نے فرمایا کہ اہل روم کے ہاں بادشاہ کو قیصر کہا جاتا ہے[7]۔

اسی طرح علامہ ابن کثیر نے صرف ابن اسحاق کے حوالے سے نہیں بلکہ اور بھی بہت سے متقدمین سیرت نگاروں کی آراء کو ذکر کر کہ ان کی تصویب فرمائی جیسا کہ ابن ہشام (218ھ)[8] ابو نعیم (430ھ)[9] بیہقی(458ھ)[10] سہیلی(581ھ)[11] اور قاضی عیاض(544ھ)[12] وغیرہ۔

علامہ ابن کثیر نے صرف سیر اور مغازی لکھنے والوں کی تنقید نہیں کی اور نہ صرف ان مؤلفین پر تنقید کی جو حدیث اور متن حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں بلکہ امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ کی روایات پر بھی تنقید کی ہے۔ جیسا کہ شریک بن عبد اللہ کی روایت جو اسراء کے باب میں گزری۔[13] اس میں امام مسلم نے معتمر بن سلیمان سے اپنے والد کی روایت کی ہے کہ ہوازن کے دن مسلمانوں کی تعداد 6ہزار تھی جب کہ اصل تعداد 10 ہزار تھی[14]۔ اسی طرح ابو ہریرہ نے باب بدء الخلق کے بارے میں جو روایت بیان کی ہے جس کے اندر ہے کہ اللہ تعالی نے زمین کو 6 دن میں بنایا[15]۔حالانکہ یہ روایت قرآن کے صریح حکم کے خلاف ہے اور علامہ فرماتے ہیں کہ یہ کعب الاحبار سے لی گئی روایت ہے۔[16]

علامہ ابن کثیر صحیحین کی روایات کے متون کی مراجعت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سند کی صحت سے یہ واجب نہیں ہوتا کہ متن بھی ٹھیک ہو علامہ ابن کثیر خود فرماتے ہیں کہ سند پر صحیح یا حسن کا حکم لگانے سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ یہی حکم متن پر بھی لگایا جائے بلکہ کبھی وہ شاذ یا معلل بھی ہو سکتا ہے[17]۔

اس کے علاوہ بھی علامہ ابن کثیر نے بہت ساری روایات کی مراجعت کی ہے۔ مثلا:

1. ابن اسحاق کی روایت جو کہ ابو موسی اشعری کی ہجرت کے بارے میں وارد ہوئی ہے[18]۔
2. حضور ﷺ اور حضرت علی کے درمیان مؤاخات کی روایت[19]۔
3. حضرت جعفر اور معاذ بن جبل کی مؤاخات کی روایات[20]
4. یہ روایت کہ غزوہ ذات الرقاع خندق سے پہلے ہوا[21]۔
5. یہ روایت کہ حضور ﷺ اور ان کے صحابہ مدینہ سے پیدل حج کے لیے گئے[22]۔
6. یہ روایت کہ حضرت علی کے لیے سورج غروب ہونے کے بعد دوبارہ لوٹایا گیا[23]۔ وغیرہ وغیرہ۔
7. موسی بن عقبہ کے نزدیک سعد بن ابی وقاص نے دیر سے ہجرت کی[24]
8. یہ روایت کہ حضرت عثمان بن عفان نے حضور ﷺ سے ام حبیبہ کا نکاح کروایا حالانکہ وہ تو اس وقت مکہ تشریف لا چکے تھے اور مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی جب کہ حضور ﷺ کی بیٹی حضرت رقیہ ان کے ساتھ تھیں[25]۔

- **متون کی چھان بین:**

علامہ ابن کثیر نے روایات اور اقوال کی چھان بین میں بعینہ وہی اصول اپنایا ہے جو متقدمین علمائے نقد نصوص کی تنقید وغیرہ میں اپنایا کرتے تھے۔ اور ان میں سب سے پہلا اصول متن کو قرآن مجید پر پرکھنا۔ پھر سنت پر پھر اجماع اور قیاس پر پرکھنا ہے[26]۔

ابن دقیق العید (702ھ) فرماتے ہیں کہ اکثر اوقات علمائے نقد حدیث پر وضع کا حکم لگاتے ہیں کیونکہ وہ رسول ﷺ کے الفاظ کو پہچانتے ہیں اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان علماء کرام کی مسلسل مشق سے ان کے اندر یہ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ ان الفاظ کی پہچان کر لیتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے ہیں اور ان الفاظ کو الگ کر لیتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے نہیں ہوتے[27]۔ علامہ ابن القیم جو کہ اسی مدرسے کے تعلیم یافتہ ہیں جس سے ابن کثیر نے علم حاصل کیا تھا ان کا شمار بھی پہلے علماء کرام میں ہوتا ہے جنہوں نے متن حدیث کی جانچ پڑتال کے اصول وقواعد وضع کیے[28]۔ ان علماء کرام نے متن کی نقد کے اندر اہمال بالکل بھی نہیں برتا۔ اور بعض محققین نے ان

قواعد کو جمع بھی کیا جیسا کہ: مسفر غرم اللہ الدمینی نے اپنی کتاب "مقاییس نقدمتون السنة "[29] اور عصام البشیر نے اپنی کتاب "اصول منہج النقد عند اہل الحدیث" [30] اور محمد طاہر الجوابی نے اپنی کتاب "جہود المحدیثین فی نقد متن الحدیث النبوی" [31] میں ان قواعد کا ذکر کیا ہے۔

ابن القیم نے ایک سائل کے جواب میں فرمایا جس نے سوال کیا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ سند کے اندر دیکھے بغیر کوئی شخص موضوع حدیث کو پہچان سکے تو جواب دیا ہاں! مگر اس شخص کے لیے جس کے خون کے قطرے قطرے میں حدیث اتر چکی ہو اور اس کو ملکہ حاصل ہو چکا ہو کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے نواہی، اوامر اور اخبار اور ان کی مشروعیت کو پہچان چکا ہو گویا وہ ایسا بن جائے کہ احادیث کے کثرت اختلاط کی وجہ سے وہ گویا صحابہ جیسا بن گیا ہو جو حضور ﷺ کی مجالس میں بیٹھا کرتے تھے۔[32] بہر حال علامہ ابن کثیر نے قواعد کی بنیاد پر متن حدیث کا نقد بیان کی۔ جیسے علامہ ابن کثیر نے رسول اللہ ﷺ کے مختون پیدا ہونے کے بارے میں ایک روایت امام بیہقی کے حوالے سے نقل کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ مختون، آنول بریدہ پیدا ہوئے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے دادا عبد المطلب خوش ہوئے اور کہا کہ میرا بیٹا عظیم ہو گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا[33]۔ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ: وھذا الحدیث فی صحتہ نظر۔[34]

وَقَدْ رَوَاهُ الْحَافِظُ ابْنُ عَسَاكِرَ، مِنْ حَدِيثِ سُفْيَانَ بْنِ مُحَمَّدٍ الْمِصِّيصِيِّ، عَنْ هُشَيْمٍ، عَنْ يُونُسَ بْنِ عُبَيْدٍ، عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " مِنْ كَرَامَتِي عَلَى اللَّهِ أَنِّي وُلِدْتُ مختونا وَلم یر سوأتي أَحَدٌ ".[35]

ترجمہ: حافظ ابن عساکر سفیان بن محمد المصیصی سے روایت کرتے ہیں اور وہ ھشیم سے اور وہ یونس بن عبید سے اور وہ حسن سے اور وہ حضرت انس سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے مجھے تعظیم و تکریم بخشی ہے کہ میں مختون پیدا ہوا ہوں اور میری شرمگاہ کسی نے نہیں دیکھی۔

اسی طرح اور کئی طرق سے یہ روایت آئی ہے ان سب کے بارے میں علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ:

وَقَدِ ادَّعَى بَعْضُهُمْ صِحَّتَهُ لِمَا وَرَدَ لَهُ مِنَ الطُّرُقِ، حَتَّى زَعَمَ بَعْضُهُمْ أَنَّهُ مُتَوَاتِرٌ.وَفِي هَذَا كُلِّهِ نَظَرٌ.[36]

ترجمہ: بعض علماء نے اس حدیث کو کثرت طرق کی وجہ سے صحیح کہا ہے حتی کہ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ متواتر ہے یہ سب طرق اور سندیں قابل تنقید ہیں۔

اسی طرح علامہ ابن کثیر نے ایک اور روایت ذکر کر کے اس پر نقد کیا ہے:

وَقَدْ رَوَى الْحَافِظُ ابْنُ عَسَاكِرَ مِنْ طَرِيقِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عُيَيْنَةَ الْبَصْرِيِّ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ ابْن مُحَمَّدٍ الْمَدَائِنِيُّ السُّلَمِيُّ، حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ مُحَارِبِ بن مُسلم بْنِ زِيَادٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، أَنَّ جِبْرِيلَ خَتَنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ طَهَّرَ قَلْبَهُ.[37]

ابن عساکر اپنی کتاب میں ابو بکرہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جبرائیل نے نبی ﷺ کا ختنہ کیا تھا جب انہون نے آپ ﷺ کا دل صاف کیا تھا۔

علامہ ابن کثیر اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

وَهَذَا غَرِيبٌ جِدًّا.وَقَدْ رُوِيَ أَنَّ جَدَّهُ عَبْدَ الْمُطَّلِبِ خَتَنَهُ وَعَمِلَ لَهُ دَعْوَةً جَمَعَ قُرَيْشًا عَلَيْهَا.[38]

ترجمہ: یہ حدیث نہایت غریب ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ عبد المطلب نے آپ ﷺ کا ختنہ کروایا اور قریش کی دعوت کی۔

علامہ ابن قیم نے بھی ایک روایت نقل کی ہے کہ آپ ﷺ کے دادا عبد المطلب نے ساتویں دن آپ ﷺ کا ختنہ کروایا اور آپ کا نام محمد رکھا۔[39] ان تمام روایتوں کے بارے میں علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ یہ روایات قابل جرح ہیں اور ان کا متواتر ہونا تو کجا یہ صحیح طریقہ سے بھی ثابت نہیں۔[40]

➢ ایک روایت کو دوسری روایت سے پرکھنا:

علامہ ابن کثیر کا ایک اصول یہ ہے کہ وہ بہت سی ایسی روایات ذکر کرتے ہیں جن کو وہ ان سے زیادہ صحیح روایات پر پرکھتے ہیں۔ جیسے کہ ابن اسحاق نے روایت کی ہے جو جناب ابو طالب کے ایمان کو واضح کرتی ہے۔ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سند میں خرابی ہے اس روایت کو دیکھنے کے بعد ہم اس روایت کو اس روایت پر پرکھتے ہیں جو سنداً اس سے کہیں زیادہ صحیح ہے اور وہ امام بخاری کی روایت ہے جس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ آخری کلام جو ابو طالب نے کیا وہ یہ تھا۔" علی ملة عبد المطلب "[41] پھر انہوں نے ابن اسحاق کی روایت کے معارض صحیحین، مسند امام احمد، مسند بزار، سنن ترمذی اور مغازی یونس بن بکیر سے روایتیں ذکر کی[42]۔

اسی طرح ابن کثیر نے ابن اسحاق اور موسی بن عقبہ کی روایات کو صحیحین کی روایات سے ملاتے ہوئے ان کی روایات کا رد کیا۔ مثلا: ابن اسحاق کی وہ روایت جو انہوں نے سورۃ الضحی کے نزول کے متعلق ذکر کی ہے[43]۔ اسی طرح موسی بن عقبہ کا یہ قول: مہاجرین وانصار کے شہداء کی تعداد احد کے دن 49 تھی[44]۔ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ بخاری کی صحیح حدیث جو کہ براء بن عازب سے مروی ہے اس میں یہ بات آئی ہے کہ اس دن مسلمانوں کے 70 آدمی شہید ہوئے تھے۔

اس میں کوئی عجیب بات نہیں کہ علامہ ابن کثیر نے ایک ہی موضوع کے اندر مختلف روایات کے تقابل کے میزان کو استعمال کرتے ہیں، کیونکہ اس طریقے پر ہر متن کا عیب اور اس کی خوبی اور اسی طرح ہر سند کا عیب اور خوبی ظاہر ہو جاتی ہے کیونکہ نفس موضوع کے اندر روایات کا سنداً ومتناً تقابل یہ قوت بخشتا ہے کہ انسان اس کے اندر چھپی قوت یا ذوق تک پہنچ جائے اور پھر اس کو مناسب نام دے۔[45]

➢ شرعی احکامات کے نزول کی تاریخ کا تذکرہ:

علامہ ابن کثیر کی سیرت کے اندر آسانی سے یہ بات ملتی ہے کہ انہوں نے بہت ساری مثالیں اس طرح کی ذکر کی ہیں جن کی متابعت انہوں نے احکام کے نزول کی تواریخ سے کی ہے۔ یہاں پر سب سے اہم بات یہ ہے کہ علامہ ابن کثیر کے اس اصول نے انہیں احکامات کے نزول کی تواریخ کا عالم بنا دیا۔ لہذا انہوں نے ابن ہشام کی روایت جو کہ اعشیٰ نامی شاعر کے بارے میں ہے اس کو مکی عہد کے واقعات کے سیاق میں ذکر کیا ہے اور اس روایت میں ابن کثیر نے اس بات پر تنقید کی کہ اہل مکہ نے اس شاعر کے سامنے یہ ذکر کیا کہ وہ (یعنی رسول اللہ ﷺ) شراب کو حرام قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ بات عیاں ہے کہ شراب کی حرمت واقعہ بنو نضیر کے بعد مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔ روایت کے اندر موجود ہے کہ اعشی رسول اللہ ﷺ کی ملاقات کے لیے نکلا اور وہ اسلام لانا چاہتا تھا اور اس نے قصیدہ کہا جس کے اندر اس نے رسول اللہ ﷺ کی مدح بیان کی۔[46] ابن ہشام کہتے ہیں جب وہ مکہ کے قریب پہنچا تو اس کو قریش کے بعض مشرکین ملے تو انہوں نے اس کا حال پوچھا تو اعشی نے جواب دیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے ملنا چاہتا ہے تا کہ اسلام لائے تو انہوں نے کہا: اے ابو بصیر! وہ تو زنا کو حرام کہتے ہیں۔ تو اعشی نے کہا کہ واللہ یہ تو ایسی بات ہے کہ جس کی طرف مجھے کچھ حاجت نہیں تو انہوں نے کہا: کہ اے ابو بصیر! وہ تو شراب کو بھی حرام کہتے ہیں۔ تو اعشی نے کہا: ہاں یہ بات ہے جس کے اندر میرا نفس اٹکا ہوا ہے۔ تو میں ابھی واپس لوٹتا ہوں اور اس سال میں اس معاملے میں سوچتا ہوں پھر واپس آکر اسلام قبول کرونگا۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ابن ہشام نے اس قصے کو ایسے ہی ذکر کیا ہے اور اس کو مکی عہد کے واقعات کے سیاق کے ذیل میں ذکر کیا ہے حالانکہ شراب کی حرمت بنو نضیر کے واقعہ کے بعد مدینہ میں نازل ہوئی لہذا یہ بات ظاہر ہوئی کہ اعشی کا جو اسلام لانے کا واقعہ ہوا تھا وہ ہجرت کے بعد ہوا تھا۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ابن ہشام کے لیے مناسب یہ تھا کہ وہ اس قصے کے ذکر کو مؤخر کرتے اور ہجرت کے بعد کے واقعات کے ذیل میں ذکر کرتے۔[47]

اسی طرح علامہ ابن کثیر نے کئی اور جگہوں پر اس طرح کی شرعی احکامات کے نزول کی تاریخ کا تذکرہ کیا ہے۔ مثلا:

- علامہ جب غزوہ بنو لحیان کی تاریخ کے بارے میں بحث کرتے ہیں جس میں ہے کہ مسلمانوں نے صلاۃ الخوف پڑھی۔[48]۔
- اسی طرح غزوہ ذات الرقاع کی تاریخ جس کے بارے میں ابن اسحاق کی رائے ہے کہ وہ 4ھ میں ہوا اور حضور ﷺ نے اسی میں صلاۃ الخوف پڑھائی[49]۔ اور واقدی کی رائے کے مطابق یہ غزوہ محرم 5ھ میں ہوا تھا[50]۔ جب کہ امام بخاری کے رائے میں یہ غزوہ 5ھ میں غزوہ خیبر کے بعد ہوا۔ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں غزوہ ذات الرقاع خندق کے بعد ہوا تھا اور 5ھ میں ہوا کیونکہ صلاۃ الخوف کی مشروعیت غزوہ خندق کے بعد ہوئی[51]۔
- اسی طرح علامہ ابن کثیر نے مسلمان عورتوں کا مشرکین مردوں پر حرام ہونے کی مشروعیت کی تاریخ کے بارے میں ابن اسحاق کے قول سے اختلاف کیا ہے۔[52]۔
- اسی طرح علامہ ابن کثیر نماز کے اندر حرمت کلام کی تاریخ کے بارے اور حجاب کے فرض ہونے کی تاریخ کے حوالے سے بعض روایات سے اختلاف کرتے ہیں[53]۔

➢ تاریخی معلومات اور حقائق کا بیان:

اہل مغازی اور سیرت نگاروں کے ہاں کچھ حقائق اور تاریخی معلومات ہیں جو کہ مسلم اور مشہور ہیں علامہ ابن کثیر بسا اوقات انہی حقائق اور تاریخی معلومات کو اقوال اور روایات سے رد کرتے ہیں۔ اور بعض روایات ایسی ہیں جن کا انکار علامہ ابن کثیر نے اس بھروسے پر کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے احوال اور حالات مشہور ومعروف ہیں اور یہ روایات ان احوال سے مطابقت نہیں کھاتی لہذا یہ روایات منکر ہیں۔ مثلا: حضرت ابو سعید سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ نے مدینہ سے مکہ پیدل حج کیا اور انکا چلنا ایسے تھا جیسے کوئی ہلکا ہلکا دوڑ تا ہو[54]۔ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے اور ضعیف الاسناد ہے۔ پھر اس کے بعد تعلیقاً بزار کا قول ذکر کیا۔[55] کہ اس کا معنی یہ ہو سکتا ہے کہ بالفرض اگر یہ حدیث سے ثابت بھی ہو تو وہ عمرہ کے وقت میں تھا وگرنہ نبی ﷺ نے ایک ہی حج کیا اور وہ بھی سواری پر تھے اور ان کے صحابہ پیدل چل رہے تھے۔ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ماشیاً (یعنی پیدل) نہ تو حدیبیہ میں عمرہ کیا نہ عمرہ قضاء میں اور نہ ہی جعرانہ میں اور نہ ہی حجۃ الوداع میں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے احوال مشہور ومعروف ہیں یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ لوگوں پر مخفی رہ گئے ہوں لہذا یہ حدیث شاذ بلکہ منکر ہے[56]۔

اسی طرح علامہ ابن کثیر نے کئی اور مقامات پر تاریخی معلومات کی روایات کا رد کیا ہے[57]۔

➢ متون کا عقلی تجزیہ:

علامہ ابن کثیر نے متون کی چھان بین کے دوران کئی مقامات پر عقلی دلائل کے ذریعے ایسی نصوص کا محاکمہ اور بحث کی جن کے الفاظ اور عبارات کا متن کسی بھی طور پر دائرہ نصوص میں نہیں آسکتا۔ لیکن اس بحث کے دوران اس بات کو ملحوظ رکھا کہ وہ احادیث جن میں انبیاء علیہم السلام کے معجزات ثابت ہیں وہ اس محاکمہ میں داخل نہیں کیونکہ جب ایک خالی عقل علوم سے تشریعی احکامات کو نہیں سمجھ سکتی تو وہ معجزات کو کیسے سمجھ سکتی ہے۔

علامہ ابن کثیر نے بہت ساری احادیاث کے متون کا عقلی تجزیہ کر کہ ان کو رد کیا۔ مثلا: اول اسلام لانے والوں کے ذیل میں حضرت علی کا قول نقل کیا جاتا ہے جس میں انہوں نے فرمایا:

"أنا الصديق الأكبر صليت قبل الناس بسبع سنين" [58]

علامہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے اور حضرت علی اس طرح کی بات نہیں کہہ سکتے اور یہ ممکن ہی کیسے ہے کہ وہ لوگوں سے سات سال پہلے نماز پڑھیں[59]۔

اسی طرح ایک اور مقام میں علامہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی پیشن گوئیوں کے بارے میں جو رسول اللہ ﷺ کی زندگی اور وفات کے بعد پوری ہوئیں تو اس میں ابو داود طیالسی کی روایت ہے جس میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے منبر پر بنو امیہ کو خطبہ دیتے ہوئے دیکھا تو رسول اللہ ﷺ کو ناگوار گزرا تو آپ ﷺ پر سورۃ کوثر نازل ہوئی اور اسی طرح سورۃ القدر نازل ہوئی اور اس میں "الف شہر" کو بنو امیہ کی سلطنت پر محمول کیا گیا۔ قاسم[60] فرماتے ہیں کہ جب ہم نے ان کا دور شمار کیا تو ہم نے ایک دن بھی اوپر نیچے نہیں پایا "الف شہر" سے[61]۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں یہ حدیث منکر ہے جیسا کہ حافظ مزی نے تصریح کی اور دوران نقد ابن کثیر نے فرمایا کہ جیسا قاسم بن فضل نے دعوی کیا کہ ایک ہزار مہینہ تو بنو امیہ کی مدت حکومت اس کے ساتھ مطابقت نہیں کھاتی اور اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ عمر بن عبد العزیز کی حکومت بھی مذموم ٹھہری جب کہ ائمہ مسلمین میں سے کسی نے بھی ایسا نہیں کیا بلکہ سب ان کو خلفاء راشدین میں شمار کیا کرتے تھے اور ابن کثیر نے فرمایا کہ لیلۃ القدر کی عظمت سے بنو امیہ کی حکومت کی مذمت لازم نہیں آتی لہذا اگر غور کیا جائے تو یہ حدیث کے اندر خرابی ہے اور اس حدیث کو بنو امیہ کی حکومت کی مذمت کے لیے لا گیا ہے[62]۔

اسی طرح ابن کثیر نے اپنے سے پہلے بہت سے علماء کرام کی تقریرات اور اجتہادات پر بھی مناقشہ کیا جیسے کہ امام سہیلی نے اس حدیث کو لایا" أُحُدٌ يُحِبّنَا وَنُحِبّهُ وَهُوَ عَلَى بَابِ الْجَنّةِ" قَالَ "وَعَيْرٌ يَبْغُضُنَا وَنَبْغُضُهُ وَهُوَ عَلَى بَابٍ مِنْ أَبْوَابِ النّارِ"[63]

امام سہیلی فرماتے ہیں اپنی اس حدیث کی تقویت کے لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد بھی ہے " الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبّ "انسان جس سے محبت کرتا ہے اسی کے ساتھ اس کا حشر ہو گا۔ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں سہیلی نے بھی عجیب بات کہی ہے کیونکہ دوسری حدیث انسانوں کے متعلق ہے اور پہاڑ کو کبھی بھی "المرء" انسان نہیں کہا گیا[64]۔

اسی طرح علامہ ابن کثیر نے کئی اور مقامات پر متون کا عقلی تجزیہ کیا ہے[65]۔

- **ابن کثیر کا اپنے اساتذہ کے اقوال کو محل استشہاد بنانا:**

علامہ ابن کثیر ایک ایسے مدرسہ سے تعلق رکھتے تھے کہ اس کے اہم امتیازات میں سے یہ تھا کہ حدیث کی خوب چھان بین کی جائے لہذا ابن کثیر لازمی طور پر اپنے اساتذہ کے اقوال کو اپناتے رہے۔ آپ کے خاص اساتذہ میں تین سر فہرست ہیں۔ علامہ ابن تیمیہ، حافظ مزی اور علامہ ذہبی۔

علامہ ابن کثیر نے اپنے استاذ علامہ ابن تیمیہ کا قول ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے کاتب وحی میں سے ایک کا نام سجل تھا جیسا کہ ابو داود کی کتاب میں مذکور ہے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ ابن تیمیہ نے اس پر وضع کا حکم لگایا ہے اگرچہ وہ سنن ابو داود کی روایت ہی کیوں نہ ہو۔ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی یہ رائے اپنے دوسرے استاذ حافظ مزی کے سامنے رکھی تو انہوں نے فرمایا میں بھی یہی کہتا ہوں[66]۔

علامہ ابن القیم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ ابو العباس بن تیمیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ یہ حدیث موضوع ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی بھی سجل نامی کاتب نہیں رہا اور نہ ہی صحابہ میں کوئی ایسا صحابی ہو جس کا نام سجل ہو اور رسول اللہ ﷺ کے تمام کاتبین معروف ہیں ان میں کوئی سجل نامی نہیں[67]۔

اسی طرح ابن کثیر نے اپنے شیخ مزی کی ایک اور رائے کو ذکر کیا جو قاضی عیاض نے اپنی کتاب شفاء میں نقل کیے ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک گدھا تھا جس کا نام زیاد بن شہاب تھا اور رسول اللہ ﷺ اس کو صحابہ کو بلانے کے لیے بھیجا کرتے تھے۔ شیخ مزی نے اس روایت کا شدید انکار کیا[68]۔ اور امام سہیلی کی روایت کا بھی انکار کیا اور اس کو ایک لطیفہ کہا جس میں ہے کہ ایک گدھے نے آپ ﷺ سے کلام کیا اور کہا کہ میں اپنی نسل میں سترواں ہوں اور ہماری نسل پر انبیاء نے سواری کی[69]۔

خلاصہ بحث:

خلاصہ یہ ہے کہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب السیرۃ النبویہ میں مرویات کی خوب چھان بین کی ہے اور ہمارے سامنے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ابن کثیر نے بہت ساری روایات کے متون کی تحقیق کی اور اس میں وہی اصول اپنائے ہیں جو ان سے پہلے متقدمین حضرات نے اپنائے تھے جبکہ وہ بھی احادیث کی نقد بیان کرتے تھے ۔ہاں ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا سب سے زیادہ جو مشہور اصول وہ یہ ہے کہ وہ تشریعی اور آسمانی احکام کا تعین تاریخ کے اعتبار سے کرتے ہیں اور متون کا عقلی تجزیہ کرتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف سے یہ بات واضح کر دی کہ وہ انتہائی محنت اور عرق ریزی سے متون کی نقد اور مراجعت فرماتے ہیں مگر یہ کہ بعض روایات میں ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے سے پہلے سیرت نگاروں کی طرح تساہل سے کام لیاہے۔

حواشی وحوالہ جات:

[1] مقدمة، السیرة النبویہ، أبو الفداء إسماعیل بن عمر بن كثیر القرشي الدمشقي، 1/14، دار طیبة للنشر والتوزیع، 1420ھ - 1999ء۔

[2] دلائل النبوة ومعرفة أحوال صاحب الشریعة، أحمد بن الحسین بن علي بن موسى الخُسْرَوْجِردي الخراساني، أبو بكر البیهقي (المتوفى: 458ھ)، 3/282-301، دار الكتب العلمیة - بیروت، 1405ھ۔

[3] اس کی مثال أبو بکر الخرائطي کی کتاب "ھواتف الجان" ہے، (البدایة والنهایة، أبو الفداء إسماعیل بن عمر بن كثیر القرشي الدمشقي، 3/570، دار إحیاء التراث العربي، 1408ھ - 1988ء۔)

[4] انہی میں سے نعیم بن حماد الخزاعي کی کتاب بھی ہے: الفتن والملاحم (البدایة والنهایة، أبو الفداء إسماعیل بن عمر بن كثیر القرشي الدمشقي، 9/172-184-210۔)

[5] السیرۃ النبویہ، ابو محمد عبد الملک بن ہشام بن ایوب الحمیری، 3/356، مکتبۃ المنار، اردن، 1409ھ، 1988ء۔

[6] البدایة والنهایة، أبو الفداء إسماعیل بن عمر بن كثیر القرشي الدمشقي، 6/224.

[7] ایضاً، 4/192۔

[8] ایضاً، 6/377.

[9] ایضاً، 9/338-339.

[10] ایضاً، 6/162.

[11] ایضاً، 5/337.

[12] ایضاً، 8/383.

[13] ایضاً، 4/275، شریک بن عبد اللہ بن ابي نمر تابعي اور صدوق ہیں، ابن معین فرماتے ہیں ان سے حدیث لینے میں کوئی حرج نہیں۔ ابن حزم نے ان کو حدیث اسراء کی وجہ سے کمزور کہا ہے: (میزان الاعتدال، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذھبی، 2/269-270.)

[14] البدایۃ والنھایۃ، أبو الفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر القرشي الدمشقي، 7/90-91، صحیح مسلم کی طرف مراجعت فرمائیں. (صحیح مسلم ، مسلم بن حجاج القشیری، حدیث نمبر:1059)

[15] صحیح مسلم، مسلم بن حجاج القشیری، کتاب صفات المنافقین، حدیث نمبر:2789۔

[16] البدایۃ والنھایۃ، أبو الفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر القرشي الدمشقي، 1/33۔

[17] الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث، أبو الفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر القرشي الدمشقي، تحقیق: احمد محمد شاکر، ص:17، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، 1370ھ-1951ء۔

[18] البدایۃ والنھایۃ، أبو الفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر القرشي الدمشقي، 4/172-174.

[19] ایضاً، 4/562.

[20] ایضاً، 4/559-560.

[21] ایضاً، 5/557

[22] ایضاً، 7/419-420.

[23] ایضاً، 8/566-570.

[24] ایضاً، 4/431-432.

[25] ایضاً، 6/145.

[26] الکفایۃ في علم الروایۃ، الخطیب البغدادي، ص170،

[27] الاقتراح في بیان الاصطلاح، تحقیق عامر حسن صبري، ص:228، بیروت، دار البشائر، ط1، 1417،

[28] نقد المنقول والمحک الممیز بین المردود والمقبول، تحقیق: حسن سماحي سویدان، بیروت، دار القادري، 1411ھ۔

[29] مقاییس نقد متون السنۃ، مسفر غرم اللہ الدمینی، ص:117-164-183-195-207-221.

[30] اصول منہج النقد عند اہل الحدیث، عصام البشیر، ص:80، ناشر: مؤسسۃ الریان، بیروت، 1412ھ۔.

[31] جھود المحدیثین فی نقد متن الحدیث النبوی، محمد طاہر الجوابی، ص:456-457، ناشر: مؤسسات عبد الکریم، تونس۔

[32] نقد المنقول والمحک الممیز بین المردود والمقبول، تحقیق حسن السماحي سویدان، ص:12.

[33] السیرۃ النبویہ، أبو الفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر القرشي الدمشقي، 1/208-209۔

[34] ایضاً، 1/209۔

[35] ایضاً، 1/209۔/ تاریخ دمشق، أبو القاسم علي بن الحسن بن ھبۃ اللہ المعروف بابن عساکر (المتوفی:571ھ)، 1/350، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، 1415ھ- 1995ء۔

[36] السیرۃ النبویہ، أبو الفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر القرشي الدمشقي، 1/210۔

[37] ایضاً، 1/210۔

[38] ایضاً، 1/210۔

[39] زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، ابن قیم الجوزیہ، 1/19، مکتبۃ ومطبع مصطفی البابی الحلبی، مصر، 1369ھ-1950ء۔

[40] تلخیص المستدرک علی الصحیحین للحاکم، ابوعبداللہ محمد بن احمد شمس الدین الذھبی (748ھ)، 2/202۔

[41] البدایۃ والنھایۃ، أبو الفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر القرشي الدمشقي، 4/309.

[42] ایضاً، 4/310-311.

[43] ایضاً، 4/41.

[44] ایضاً، 5/445.

[45] دراسات في منهج النقد عند المحدثین، محمد علي قاسم العُمري، ص:30، دار النفائس، الأردن، 1420ھ۔

[46] جس کا ایک شعر یہ ہے: أَلم تَغْتَمِضْ عیناک لیلۃ أرمدا... وبتّ کما بات السلیم مسھّدا یہ شعر اعشی کا ہے۔ (إیضاح شواھد الإیضاح، أبو علي الحسن بن عبد اللہ القیسي (المتوفی: ق6ھ)، 2/685، دار الغرب الإسلامي، بیروت-لبنان، 1408ھ - 1987ء)

[47] البدایۃ والنھایۃ، أبو الفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر القرشي الدمشقي، 4/253-254.

[48] ایضاً، 4/553-557.

[49] السیرۃ النبویہ، ابو محمد عبد الملک بن ہشام بن ایوب الحمیری، 3/214.

[50] کتاب السیر والمغازي، محمد بن إسحاق بن یسار المطلبي بالولاء، المدني (المتوفی: 151ھ)، 2/560۔

[51] البدایۃ والنھایۃ، أبو الفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر القرشي الدمشقي، 5/560.

[52] ایضاً، 5/206.

[53] الفصول في سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، أبو الفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر القرشي الدمشقي، ص:183.

[54] الفوائد، أبو القاسم تمام بن محمد بن عبد اللہ بن جعفر بن عبد اللہ بن الجنید البجلي الرازي ثم الدمشقي (المتوفی: 414ھ)، حدیث نمبر: 786، مکتبۃ الرشد-الریاض، 1412۔

[55] البدایۃ والنھایۃ، أبو الفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر القرشي الدمشقي، 14/813.

[56] ایضاً، 7/419-420.

[57] ملاحظہ کیجئے۔ (البدایۃ والنھایۃ، أبو الفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر القرشي الدمشقي، 7/479-4/314-315-5/227-8/322-7/90-91-9/207-6/355-356۔)

[58] سنن ابن ماجہ، ابن ماجۃ أبو عبد اللہ محمد بن یزید القزویني، (المتوفی: 273ھ)، باب فضل علی، حدیث نمبر: 117، دار إحیاء الکتب العربیۃ - فیصل عیسی البابي الحلبي، 1418ھ-1997ء۔

[59] البداية والنهاية، أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي، 4/66.

[60] القاسم بن الفضل الحداني. آپ سے ابن مهدي وأبو داود الطيالسي نے روایات لی ہیں وفات 167ھ۔ان کو صدوق کہا گیا ہے، ابن مهدي والقطان، أحمد بن معين، ابن حجر نے ان کو ثقہ کہا ہے۔(تهذيب التهذيب، أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني (المتوفى:852ھ) 8/330۔/ میزان الاعتدال، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذھبی،3/377.

[61] البداية والنهاية، أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي، 9/271.

[62] البداية والنهاية، أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي، 9/271-173،حاکم نے اپنی مستدرک میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے، ذہبی مستدرک کی تلخیص میں فرماتے ہیں کہ یوسف سے نوح بن قیس نے روایت کی ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ ان میں کسی نے کلام کیا ہو۔ قاسم نے ان کو ثقہ کہا ہے، أبو داود اور التبوكي نے ان سے روایت کی ہے،(المستدرک علی الصحیحین، أبو عبد الله الحاكم محمد بن عبد الله النيسابوري (المتوفى:405ھ)،3/171)البانی نے سنن ترمذی کی اس حدیث کو ضعیف الإسناد، مضطرب اور اس کے متن کو منکر کہا ہے،(ضعيف سنن الترمذي، محمد بن عيسى بن سَوْرة بن موسى بن الضحاك، الترمذي، أبو عيسى (المتوفى:279ھ)، ص:436، نشر المكتب الإسلامي، دمشق،1411ھ، 1991ء۔

[63] الروض الأنف في شرح السيرة النبوية لابن هشام، أبو القاسم عبد الرحمن بن عبد الله بن أحمد السهيلي (المتوفى:581ھ)،5/297،دار إحياء التراث العربي، بيروت،1421ھ/ 2000ء۔

[64] البداية والنهاية، أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي، 5/338،

[65] ملاحظہ کیجئے۔(البداية والنهاية، أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي،6/54-8-/569-8/570.)

[66] البداية والنهاية، أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي، 8/340.

[67] شيخ الإسلام ابن تيمية وجهوده في الحديث وعلومه، عبد الرحمن الفريوئي،2/510،دار العاصمة، الرياض،1416ھ۔

[68] البداية والنهاية، أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي، 8/383.

[69] الفصول في سيرة الرسول صلى الله عليه وسلم، أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي، ص:259.